ترقی پسند مصنفین اور بھوپال

ڈاکٹر مرضیہ عارف (بھوپال)

1935 میں سجاد ظہیر اور اُن کے ساتھیوں نے لندن میں ترقی پسند مصنّفین کی بنیاد رکھی اور ہندوستان میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، فیض احمد فیض، مخدومؔ، سردار جعفری وغیرہ نے اِس کو مقبول بنانے میں اہم حصہ لیا، اس کے اعلان نامہ میں تلقین کی گئی کہ ہر ترقی پسند ادیب و شاعر اپنے ماحول کا جائزہ لے کر سماج کے بنیادی مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنائے، نسلی تعصب، سماجی پستی، غریبی، فرقہ پرستی کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

اُردو زبان، اُس کا ادب خاص طور پر شاعری شروع سے ترقی پسندی کی نمائندگی کرتی رہی ہے، جہاں تک اِس کے آغاز کا تعلق ہے تو ہمیں پہلے ترقی پسند شاعر امیر خسرو نظر آتے ہیں، جنہوں نے سنسکرت، فارسی اور عام بولیوں کے الفاظ کو ملا کر ایک نئی شاعری کی بنیاد ڈالی، اسی طرح ترقی پسندوں کے نقطۂ نظر کے مطابق اُردو میں دوسرا نام نظیر اکبر آبادی کا ملتا ہے، انہوں نے بھی ترقی پسندوں کے اِس نظریہ کے مطابق کہ شاعری حقیقت میں انسانی جذبات وخیالات کی آئینہ دار ہوتی ہے، اپنی شاعری کو عوامی بنا کر پیش کیا، حالانکہ اُس وقت تک ترقی پسندی کی اصطلاح وجود میں نہیں آئی تھی، لیکن نظیر نے اپنے اشعار میں جن جذبات، ماحول اور زمانہ کی عکاسی کی، وہ ترقی پسندی کے عین مطابق تھی اس لئے اُردو میں نظیر کو پہلا ترقی پسند شاعر قرار دیا جاسکتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کے بعد 20 ویں صدی کے تیسرے عشرہ میں ترقی پسند ادبی تحریک کا آغاز ہوا اور یہ تحریک قرونِ وسطیٰ کی بھگتی تحریک کے بعد ہندوستان کی سب سے بڑی ادبی اور ثقافتی تحریک مانی گئی، اس تحریک نے اُردو زبان کو ہی نہیں سبھی مقامی زبانوں کو گہرے طور پر متاثر کیا، یہاں تک کہ اُن کا رشتہ زبان و ادب کے ساتھ زندگی کے دوسرے شعبوں سے بھی جوڑ دیا۔ اس سے پہلے سرسید احمد خاں کی اصلاحی تحریک نے ادب وسماج پر ایسے ہی اثرات ڈالے تھے، لیکن اُس کے مقاصد اُردو نظم ونثر کو آسان بنانے، ایرانی اثرات سے آزاد کرانے تک محدود تھے جبکہ ترقی پسند تحریک نے پورے انسانی سماج کے تاریک پہلوؤں کو روشن کرنے پر زور دیا، مگر اُس کی توجہ زبان وادب پر زیادہ رہی اور یہ اپنے عہد کی انقلابی تحریک تسلیم کی گئی۔ بلکہ نصف صدی سے زیادہ مدت تک اِس نے ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے ساتھ جوڑے رکھا اور اس تنظیم کی شاخیں برصغیر میں منظّم طور پر کام کرتی رہیں۔

1935 میں سجاد ظہیر اور اُن کے ساتھیوں نے لندن میں ترقی پسند مصنّفین کی بنیاد رکھی اور ہندوستان میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، فیض احمد فیضؔ، مخدوم، سردار جعفری وغیرہ نے اِس کو مقبول بنانے میں اہم حصہ لیا، اس کے اعلان نامہ میں تلقین کی گئی کہ ہر ترقی پسند ادیب وشاعر اپنے ماحول کا جائزہ لے کر سماج کے بنیادی مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنائے، نسلی تعصب، سماجی پستی، غریبی، فرقہ پرستی کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ ترقی پسند مصنفین کی پہلی آل انڈیا کانفرنس 1936 میں پریم چند کی زیرِ صدارت لکھنؤ میں ہوئی، جس میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ ”سچا ادب اُن تخلیقات کو ہی کہا جاسکتا ہے جس کے ذریعے قوت اور عمل کی تحریک پیدا ہو، ترقی پسند ادب بیداری کا آئینہ دار ہوتے ہوئے روحانی اور ذہنی تسکین کا باعث بھی ہوتا ہے“ پریم چند نے ترقی پسند ادب کو معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری بتایا لیکن کانفرنس کی بازگشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سجاد ظہیر اور سردار جعفری کے قریبی حلقہ نے ترقی پسند مصنفین تحریک کو ادب سے زیادہ سیاست کا ترجمان بنا دیا اور یہ اشتراکیت کی علم بردار بن کر رہ گئی، مجبوراً اس سے ناراض قلم کاروں کو تحریک سے علاحدہ ہونا پڑا، کیونکہ تنظیم اپنے بنیادی مقاصد سماج کی فلاح و بہبود سے ہٹ کر اشتراکیت کے لئے کام کرنے لگی، پہلے اُس کا مقصد سامراجیت کا مقابلہ تھا، عوام وخواص اِسی لئے اُس کے ساتھ تھے لیکن آزادی کے بعد تحریک کی دلچسپی کمیونسٹ نظریات کے اشاعت تک محدود ہوگئی، ملک کی آزادی کو بھی یہ لوگ دھوکہ قرار دینے لگے لہٰذا حکومت بھی اِسے شبہ کی نظر سے دیکھنے لگی، اِس کے اخبارات و رسائل پر پابندی لگنے لگی اور رہنماؤں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، انجمن کی بھیمڑی کانفرنس نے رہی سہی کسر پوری کردی۔

1949 میں ترقی پسند کانفرنس کا جو نیا دستور سامنے آیا وہ جمہوریت کے پردہ میں کمیونسٹ نظام کا ترجمان تھا، 1952 کی کراچی کانفرنس مولوی عبدالحق کی صدارت میں ہوئی تو اس میں صورتِ حال کو سنبھالنے کی کوشش کے طور پر معافی نامہ جیسی تجاویز سامنے آئیں، لیکن حکومت پاکستان کی طرف سے اُنہیں قبول کرنے کے بجائے 1953 میں تنظیم پر پابندی لگادی گئی۔

جہاں تک بھوپال کی نوابی ریاست سے انجمن ترقی پسند مصنفین کا تعلق ہے تو اُس کی سرگرمیاں یہاں کچھ تاخیر سے شروع ہوئیں اور اُن ہی ادیب وشاعروں نے اِس میں دلچسپی لی جو دوسرے نام سے چلنے والی کمیونسٹ تحریک سے متاثر یا وابستہ تھے، یہ لوگ پہلے سے جاگیر دارانہ سماج اور راجہ ونوابوں کی حکمرانی کے مخالف تھے، اور چاہتے تھے کہ انگریزوں کی طرح اُن کے اقتدار کا بھی خاتمہ ہوجائے۔

شروع میں اِنہیں قبولیت حاصل نہیں ہوئی کیونکہ یہاں کے عوام کی اکثریت اپنی ریاست کے بنے بنائے نظام کو ختم کرنا نہیں چاہتی تھی، لیکن بعد میں نوجوان اس میں دلچسپی لینے لگے، 1945 میں جب انجمن ترقی پسند مصنفین کا بھوپال میں باضابطہ قیام ہوا تو قدوس صہبائی اس کے صدر اور مقصود عمرانی جنرل سکریٹری بنے لیکن اِسے اعتبار ومقبولیت اُس وقت ملی جب جاں نثار اختر اور اُن کی اہلیہ صفیہ اختر جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے، حمیدیہ کالج کے اساتذہ بن کر بھوپال آئے، یہ پہلے سے انجمن میں کام کرے رہے تھے اور تجربہ کار بھی تھے۔

انہوں نے بھوپال میں اِس تحریک کے لئے ماحول بنایا اور قیادت سنبھالی تو نوجوان اُن کے پیچھے جمع ہوگئے۔ اِسی زمانہ میں ملک آزاد ہوا تھا اور تقسیم کے نتیجہ میں فرقہ وارانہ کشیدی عروج پر تھی، پھر بھی بھوپال اِس سے محفوظ رہا، اسی ماحول میں جاں نثار اختر نے بھوپال میں انجمن کی آل انڈیا کانفرنس کرنے کا ارادہ کیا، انجمن کے ضابطے ازسر نو مرتب کئے مرکزی قیادت سے اس کی منظوری حاصل کی، حامد سعید خاں کو استقبالیہ کمیٹی کا صدر چنا گیا، انتظامیہ کمیٹی میں احسن علی خاں، ابراہیم یوسف، اختر سعید خاں، قمر جمالی، انجم سلمانی، صہبا لکھنوی اور محمد علی تاج لئے گئے، کانفرنس کے افتتاح کے لئے معروف ادیب اور عالم قاضی سید سلیمان ندوی راضی ہوگئے تو 25 جنوری 1949 کو شام 7 بجے منٹو ہال (جو بعد میں حمیدیہ کالج بنا) میں علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کا افتتاح فرماتے ہوئے نوجوان، ادیب شاعروں کو نصیحت کی کہ اپنی زبان اور قلم کو آگ بھڑکانے میں نہیں بلکہ اُس کو بجھانے کے کام میں لائیں۔ اپنے میٹھے بول اور سریلے گیتوں سے غم سے بھرے ہوئے دلوں کو تسکین کا پیغام دیں۔ میں نے ترقی پسندوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ادب، زندگی کا ساتھ دے، یہ بالکل ٹھیک ہے۔ کیا شاہنامہ اور فرخی وعنصری کے دیوان نہیں بتاتے کہ سلطان محمود کے عہد میں اُس مملکت کی کیا فضا تھی اور کیسی عسکریت چھائی ہوتی تھی، اس لیے آج کے نوجوان ادیب جب اپنے زمانہ کے خیالات کی ترجمانی کرنا چاہیں تو یہ دنیا کا کوئی نیا واقعہ نہیں، یوں ہی ہوا ہے، یونہی ہوتا آیا ہے اور یوں ہی ہوتا رہے گا۔

خطبہ استقبالیہ حامد سعید خاں نے پڑھا اور افتتاحی اجلاس کی صدارت کرشن چندر نے کی۔ یہ کانفرنس چھ اجلاسوں پر مشتمل تھی۔ افتتاحی جلسہ کے بعد دوسرے اجلاس کی صدارت شاہد لطیف نے کی اور تیسرا اجلاس پنڈت سندر لال کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کو مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی خطاب کیا۔ چوتھے اجلاس کی صدر عصمت چغتائی تھیں اور چھٹا اجلاس جو ادبی تخلیقات کا دوسرا اجلاس تھا مہندر ناتھ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ چھٹے اجلاس کے بعد 28 جنوری کو جوشؔ ملیح آبادی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ مشاعرہ سے قبل جاں نثار اختر نے اختتامیہ تقریر کی، جس میں انھوں نے کانفرنس کے مختلف جلسوں کا جائزہ لیتے ہوئے ترقی پسند ادب اور ترقی پسند تحریک کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی اِس کانفرنس نے بھوپال کے نوجوان ادیبوں و شاعروں میں حوصلہ پیدا کیا، اُن کے سینوں کو گرمانے کے ساتھ ساتھ زبان، ادب اور شاعری کے مختلف معاملات کا احاطہ کیا اور غور وفکر کی نئی راہیں کھولیں۔ کانفرنس کے شرکا میں بھوپال کے بہت سے ادیبوں وشاعروں کے علاوہ بیرونی شعراء وادیبوں میں پنڈت سندر لال، جوشؔ ملیح آبادی، عصمت چغتائی، کرشن چندر، شاہد لطیف، مہندر ناتھ کے ساتھ مجروحؔ سلطان پوری، غلام ربانی تاباں، عادل رشید اور ادھو کمار بھی شامل تھے۔ سردار جعفری کانفرنس کے انعقاد سے دو دن قبل گرفتار کر لیے گئے۔ اس لیے وہ اس کانفرنس میں شریک نہیں ہوسکے۔ جن لوگوں نے کانفرنس کو پیغامات ارسال کیے تھے ان میں شریمتی وجے لکشمی پنڈت، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر سید عابد حسین اور شاہد احمد دہلوی (کراچی) قابلِ ذکر ہیں۔ بھوپال میں انجمن ترقی پسند مصنّفین کی کانفرنس کی کامیابی نے جاں نثار اختر کی مقبولیت میں بڑا اضافہ کیا اور اس سے خود اُن کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھی تیزی آئی۔ اسی کے بعد مئی 1949 کی آخری تاریخوں میں انھوں نے بھوپال کی انجمن ترقی پسند مصنّفین کے صدر احسن علی خاں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ انجمن ترقی پسند مصنّفین کی بھیمڑی کانفرنس میں شرکت کی۔

جون 1949 میں بھوپال کا حکومتِ ہند میں انضمام عمل میں آیا اور یہاں چیف کمشنر راج قائم ہوا تو انجمن کے ممبران کی سخت نگرانی ہونے لگی، چونکہ بھیمڑی میں انجمن نے انتہا پسند رویہ اختیار کیا تھا اِس لیے حکومت ترقی پسند مصنّفین کی سرگرمیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ بھوپال میں بھی چیف کمشنر راج نے اس سلسلے میں سخت اقدامات کیے۔ ترقی پسندوں کے گھروں کی تلاشی لینی شروع کردی گئی اور گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں۔ اِن نازک حالات کا اندازہ کر کے جاں نثار اختر نے بھوپال چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور وہ صفیہ اختر کو اپنا استعفیٰ سونپ کر 19 دسمبر 1949 کو بمبئی کے لیے روانہ ہوگئے۔

ترقی پسندوں کی بھوپال کانفرنس ایسے وقت میں ہوئی جب تحریک ادبار کی شکار تھی، اُس پر مختلف الزامات لگائے جا رہے تھے، ان کا جواب دینے کے لیے یہ کانفرنس ایک پلیٹ فارم ثابت ہوئی، اس کے ذریعہ ہندوستان کی آزادی، اردو زبان کے بارے میں موقف، فرقہ ورانہ قتل وغارت گری اور ملک کی تقسیم جیسے اہم سوالوں پر بحث کر کے اُن کی مناسب وضاحت کرنے نیز انجمن پر عائد الزامات کا جواب دینے کی جو کوشش ہوئی، اُس سے سبھی مطمئن نظر آئے، یوں بحیثیت مجموعی یہ کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب رہی، لیکن مقامی طور پر اِس کے اثرات دیرپا ثابت نہیں ہوئے کیونکہ جاں نثار اختر نے بمبئی جانے سے قبل احسن علی خاں کو انجمن کے مقامی یونٹ کا صدر بنا دیا تھا لیکن وہ اِسے متحد نہیں رکھ سکے، اس میں بھوپال کے سیاسی حالات خاص طور پر یہاں دوسو سال سے جاری جاگیر دارانہ نظام کا عمل دخل رہا۔ پھر بھی انجمن ترقی پسند مصنّفین بھوپال کے نام سے یہاں انجمنیں بنتی رہیں اور محدود پیمانے پر اُن کی سرگرمیاں بھی چلتی رہیں۔ نشستوں میں مقامی شاعر، افسانہ نگار، ادیب اور صحافی شرکت کر کے اپنے تخلیقات پیش کرتے رہے، آخری زمانہ میں اِس کی نشستیں اختر سعید خاں، فضل تابش کے مکانات پر پروفیسر کالونی اور لبرٹی ہاؤس میں ہوتی رہیں جن میں ڈاکٹر شنکر دیال شرما، ست پرکاش سنگر، قمر جمالی، اشتیاق عارف، عشرت قادری، مقصود عمرانی، محمد علی تاج، انجم سلمانی، ابراہیم یوسف، متین نیاز، قاسم نیازی، نعیم کوثر، خالد عابدی، وحید پرواز، ظفر صہبائی، سرفراز دانش، جی ایم نغمی، امتیاز انجم وغیرہ حضرت شرکت کرتے رہے۔

کافی عرصہ ہوگیا اب انجمن ترقی پسند مصنفین کا بھوپال میں نام بھی سنائی نہیں دیتا، نہ اُس کے عہدے دار وارکان موجود ہیں۔ ایک ایک کر کے سبھی رخصت ہوگئے، ظفر صہبائی حیات ہیں۔ اللہ انہیں سلامت رکھے۔ آمین۔

کئی ریاستوں میں تبدیلی کے آثار نظر آتے ہیں

پچھلے دنوں ہماچل پردیش کانگریس میں اختلافات کی وجہ سے وہاں کی نومولود سرکار کے زوال کے امکانات ظاہر کیے جا رہے تھے۔ مگر ڈی کے شیو کمار نے ہماچل پہنچ کر کانگریس کو کرکری سے بچا لیا۔ اس سے قبل راجستھان کے معاملے میں بھی وہ بی جے پی کی تخریبی کوششوں کو ناکام بنا چکے ہیں۔ زبردست سیاسی جوڑ توڑ کی صلاحیتوں کا مظاہر کرچکے ہیں۔ ڈی کے شیو کمار بڑے سرمایہ دار ہیں۔ تمام طبقات میں ان کو عزت وقار حاصل ہے۔

لوک سبھا انتخابات کے بعد اب کئی ریاستوں میں مرکزی سیاست کا اثر نظر آنے لگا ہے۔ مہاراشٹر، بہار اور کرناٹک میں بڑی سیاسی تبدیلیوں کا اشارہ ملنے لگا ہے اور اس کی شروعات بہار سے ہوئی ہے اور اب نتیش کمار کے خلاف بی جے پی میں سر اٹھنے لگے ہیں۔ بہار میں بی جے پی کی قیادت والی این ڈی اے میں سابق ایم پی اشونی چوبے نے اسمبلی انتخابات اپنی پارٹی کے لیڈر کی قیادت میں لڑنے اور امپورٹیڈ قیادت کو نظرانداز کرنے کی صلاح دی ہے۔ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ بہار بی جے پی میں نتیش کمار کو لے کر مرکزی قیادت سے الگ رائے سامنے آئی ہے۔ ریاستی بی جے پی کے صدر بھی پارٹی کی خود کی قیادت میں الیکشن لڑنے کی بات کررہے ہیں۔ جبکہ نتیش کمار اسمبلی کی مدت ختم ہونے سے ایک سال پہلے ہی قبل از وقت الیکشن کرانے کی وکالت کررہے ہیں۔

لوک سبھا الیکشن میں این ڈی اے محاذ میں شامل پارٹیوں نے کامیابی کو برقرار رکھا اور اس کو 40 میں سے 30 سیٹیں ملیں۔ بی جے پی اور جنتا دل یو کو بارہ بارہ سیٹیں ملی ہیں جبکہ جیتن رام مانجھی کو ایک اور پانچ سیٹیں رام ولاس پاسوان کی ایل جے پی کو ملیں۔ ایک سیٹ آزادانہ امیدوار اور انڈیا اتحاد کو 9 سیٹیں ملیں۔

ہندوستان کی سیاست کی سمجھ رکھنے والے کسی بھی باشعور انسان کو یقیناً اس بات کی توقع نہیں ہوگی کہ اتنی شدید انتخابی مہم کے بعد متوقع سیاسی صورت حال میں جس میں لوک سبھا کے انتخاب لڑے گئے تھے، کے بعد سیاسی استحکام آجائے گا۔ اس لوک سبھا الیکشن میں بی جے پی کو مکمل اکثریت حاصل نہیں ہوئی ہے اور ایسا لگ رہا ہے کہ ہندوستان کی سیاست میں اتھل پتھل کا ماحول نہ صرف مرکز میں برقرار رہے گا بلکہ کئی ریاستی سرکاریں اس کی زد میں آسکتی ہیں۔ اس میں ہریانہ، کرناٹک اور بہار قابل ذکر ہیں۔

لوک سبھا کے انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ غیر متوقع تھے۔ امید کی جارہی تھی کہ کانگریس پارٹی جو چند ماہ پہلے اسمبلی کے انتخابات میں زبردست اکثریت کے ساتھ اقتدار میں آئی تھی لوک سبھا کے الیکشن میں اس کی شاندار کامیابی ہوگی۔ مگر ہوا اس سے الٹ جنتا دل سیکولر کے اعلیٰ ترین لیڈروں کے سیکس اسکینڈل میں نام آنے کے باوجود بی جے پی اور جنتا دل سیکولر نے کانگریس پارٹی کو زیادہ سیٹوں پر کامیابی حاصل نہیں کرنے دی۔

بی جے پی نے کل 28 سیٹوں میں سے 19 اور جنتا دل (ایس) نے دو جبکہ کانگریس صرف 9 سیٹوں پر کامیاب ہوئی۔ اس کا نتیجہ بہر حال نظر آرہا ہے۔ کانگریس پارٹی کو توقع تھی کہ اگر کرناٹک میں بھی اس کو اچھی سیٹیں مل گئی تو اس کو مرکز میں انڈیا اتحاد کی حکومت کے امکانات زیادہ روشن ہوں گے۔ بہر حال کرناٹک کی ریاستی حکومت پر بھی اس کا اثر صاف دکھائی دے رہا ہے اور پارٹی کے مختلف دھڑوں میں وزارت اعلیٰ کو لے کر رسہ کشی کو اس وقت شہہ ملی جب گزشتہ وکالیگا سماج کے ایک اہم مذہبی لیڈر چندر شیکھر سوامی جی نے ریاست کی سیاسی صورت حال اور حکومت کی قیادت پر ایسا بیان دے دیا جس کا ارتعاش دور تک محسوس کیا جائے گا۔ خالص مذہبی پروگرام میں انہوں نے کانگریس کے ریاستی صدر اور سینئر لیڈر ڈی کے شیوکمار کو وزیراعلیٰ بنانے کا شوشہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے یہ بیان اس وقت دیا جب اس مذہبی تقریب میں خود وزیر اعلیٰ سدرمیا بھی موجود تھے۔ اس بیان کے ریاستی سیاست پر گہرے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ سوامی جی نے انتہائی سادگی کے ساتھ کہہ دیا کہ سدرمیا اس سے پہلے بھی وزیر اعلیٰ رہ چکے ہیں اور اب موقع ڈی کے شیوکمار کو ملنا چاہیے۔ کانگریس پارٹی کے اندر ڈی کے شیوکمار کا رتبہ کافی اہم ہے اور کانگریس کی مرکزی قیادت ڈی کے شیو کمار کو ان کی انتظامی سیاست کے فن کی پذیرائی ہوئی ہے اور وہ اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ پر کانگریس کی سرکاروں کو ٹوٹنے سے بچا چکے ہیں۔ پچھلے دنوں ہماچل پردیش میں کانگریس میں اختلافات کی وجہ سے وہاں کی نومولود سرکار کے زوال کے امکانات ظاہر کیے جار ہے تھے، مگر ڈی کے شیو کمار نے ہماچل پہنچ کر کانگریس کو کرکری سے بچا لیا۔ اس سے قبل راجستھان کے معاملے میں بھی وہ بی جے پی کی تخریبی کوششوں کو ناکام بنا چکے ہیں۔ زبردست سیاسی جوڑ توڑ کی صلاحیتو ں کا مظاہر کرچکے ہیں۔ ڈی کے شیو کمار بڑے سرمایہ دار ہیں۔ تمام طبقات میں ان کو عزت وقار حاصل ہے۔ کرناٹک کی کانگریس ان کی قیادت میں دوبارہ برسراقتدار آئی تو اس کے پس پشت ڈی کے شیو کمار کی صلاحیتیں بھی کارفرما تھیں۔ کچھ مبصرین کا خیال ہے کہ ڈی کے شیوکمار کی قیادت والی کرناٹک کانگریس پارلیمانی انتخابات میں خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں کرپائی اور مرکزی قیادت نے ان کو نظرانداز کرنا شروع کردیا ہے۔ مگر کرناٹک کے ایک اہم سیاسی طور پر سرگرم اور بااثر طبقے کے مکھیا کے منہ سے ڈی کے شیوکمار کی وزارت اعلیٰ کے لیے وکالت کرنا حالات میں تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

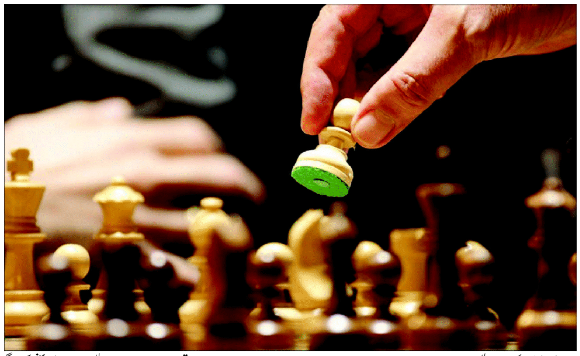

> لوک سبھا انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ غیر متوقع تھے۔ امید کی جارہی تھی کہ کانگریس پارٹی جو چند ماہ پہلے اسمبلی کے انتخابات میں زبردست اکثریت کے ساتھ اقتدار میں آئی تھی لوک سبھا کے الیکشن میں اس کی شاندار کامیابی ہوگی۔ مگر ہوا اس کے برعکس جنتا دل سیکولر کے اعلیٰ ترین لیڈروں کے سیکس اسکینڈل میں نام آنے کے باوجود بی جے پی اور جنتا دل سیکولر نے کانگریس پارٹی کو زیادہ سیٹوں پر کامیابی حاصل نہیں کرنے دی۔

❐❖❐

’ایکس‘ کی دنیا

@Stave Hantre
جنوبی سوڈان کے بارے میں اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ اس وقت 18 ملین لوگ بھک مری کا شکار ہیں اور 5 ملین لوگ بھک مری کے دہانے پر کھڑے ہیں اور یہی نہیں آج افراط زر کی شرح 239 گنا بڑھ گئی ہے۔

@New Laundry
زبردست گرمی کے دوران دہلی میں پانی کا بدترین بحران ہے۔ اس پر دہلی کی آپ سرکار، بی جے پی اور ایل جی وی کے سکسینہ کے درمیان الزام تراشیوں کا دور چل رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قومی راجدھانی دہلی کے اس بحران کے لیے ذمہ دار کون ہے۔

@Middle East Eye
فلسطین: مغربی کنارے کے جنین میں ایک دھماکہ میں اسرائیلی فوجی ہلاک اور 17 دیگر افراد زخمی ہوگئے ہیں۔

@Zee News English
پیدل چل کر آپ اپنے کمر کے نچلے حصہ کا درد کم کر سکتے ہیں۔ یہ بات لینسٹ کے حالیہ مطالبہ میں سامنے آئی ہے، ڈاکٹر اس بابت مشورے بھی دیتے ہیں۔

پانچواں درویش @
وصال وہجر میں اتنا تو اعتدال رہے
وہ خوش خیال بیٹھ کر بھی خوش جمال رہے
اہتمام صادق

نجمہ قمر @
کافی ہے عمر بھاگتے پنچوں کے بل منیر
فرصت نہ تھی کہ فرش پر ایڑی لگا سکوں
اردوشاعری@

چمک رہے ہیں شگوفے، دہک رہے ہیں گلاب
وفورِ موسم گل ہے کہ باغ جلتے ہیں

@Rekhta
دل کے رشتے عجیب رشتے ہیں
سانس لینے سے ٹوٹ جاتے ہیں
مصطفیٰ زیدی

@ANI
کیرل کی اسمبلی میں ایک متفقہ قرارداد پاس ہوئی جس کے تحت مرکز سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ نیٹ اور نیٹ امتحانات میں بے ضابطگیوں کی گہرائی سے جانچ کرے۔

@Wafa News Agency English
اسرائیل کی بمباری میں ایک ہی خاندان کے پانچ افراد کی شہادت ہوئی۔ فلسطینی ان کی اجتماعی نماز جنازہ میں شرکت کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

@Ahmad Hassan B...
پاکستان:۔ ایک شریف آدمی نے کہا ”آئین کیا ہے کاغذ کا ٹکڑا جب چاہو پھاڑ کر پھینک دو“ جسٹس منیب اختر جنرل مشرف کو یاد کرتے ہوئے۔

@Sajal
مجھے پھولوں کے مرجھانے پر تکلیف ہوتی ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں کو پھینک دینے پر دکھ ہوتا ہے۔ مجھے چیزوں کے ٹوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے۔ انسانوں کے بدل جانے پر میرا دل ٹوٹ جاتا ہے، المختصر، مجھے میرے حساس ہونے پر رنج ہوتا ہے۔

وكاية الانبياء لفطرية
لبنان کے وزیر خارجہ نے یوروپی افسران کے ساتھ مذاکرات کر کے خطہ کو درپیش مسائل پر گفتگو کی اور کشیدگی کو کم کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا۔

@World affair
نیتن یاہو کا بیان: ایران اسرائیل کے خلاف کئی محاذوں سے زمینی کارروائی شروع کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔

@SANA HAIDER
محبت اس وقت عروج پر پہنچتی ہے جب عورت اپنی ضد ترک کردیتی ہے اور مرد اپنا غرور ترک کردیتا ہے۔

@Nour Naimi نور

شمالی غزہ میں جبالیہ مہاجر کیمپ پر فائرنگ کر کے اسرائیل نے بڑی تعداد میں بے گناہ شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مرنے والوں میں بچوں کی بڑی تعداد تھی۔

@Times Algebra
نائب صدر اور راجیہ سبھا کے چیئر مین جگدیپ دھنکڑ نے ٹی ایم سی ممبران پارلیمنٹ سگاریکا گھوش، ساکیت گوکھلے اور ڈیرین، اوبرائن کو کھری کھوٹی سناتے ہوئے کہا۔
سگاریکا گھوش کیا آپ اس مقصد کے لیے ہی ایوان میں آئی ہو یہ جملے انہوں نے اس وقت ادا کیے جب بی جے پی کے ایم پی سدھانشو ترویدی ایوان میں بول رہے تھے۔

@Gabber
تاج محل 393 سال پہلے تعمیر ہوا تھا اور آج اس کی چھت ٹپکی نہیں ہے۔

ایکس پر چلنے والے ٹرینڈ قارئین کی دلچسپی کیلئے پیش کئے جارہے ہیں
ایکسیوزر کے ذریعہ ظاہر کی گئیں آراء ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح ذمہ دار نہیں